سورۃ البقرۃ

آیات ۵۸-۵۹

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ بحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲: ۵: ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲: ۵: ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲: ۳۷ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ
وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ
بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

۲ : ۳۷ : ۱ اللغــة

[وَاِذْ] "اور (یاد کرو) جب"۔ یہ (وَاِذْ) گزشتہ متعدد آیات (۴۸ تا ۵۴) میں کئی دفعہ گزر چکا ہے (بلکہ اس سے پہلے آیت ۳۰ و ۳۴ میں بھی آیا تھا) چاہیں تو "وَ" کے لیے [۱ : ۴ : ۱ (۳)] اور [۲ : ۷ : ۱ (۱)] میں اور "اِذْ" کے لیے البقرہ : ۳۰ [۲ : ۲۲ : ۱ (۱)] میں دیکھ لیجئے۔

[قُلْنَا] (ہم نے کہا) کا مادہ "ق ول" اور وزن اصلی "فَعَلْنَا" ہے یہ دراصل "قَوَلْنَا" تھا جو تعلیل کے بعد "قُلْنَا" رہ گیا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ : ۸ [۲ : ۷ : ۱ (۴)] میں اور "قُلْنَا" کی تعلیل پر البقرہ : ۳۵ [۲ : ۲۵ : ۱ (۱)] میں بات ہوئی تھی۔

۲ : ۳۷ : ۱ (۱) [اُدْخُلُوْا] کا مادہ "د خ ل" اور وزن "اُفْعُلُوْا" ہے اس مادہ سے فعل مجرد "دَخَلَ ..... یدخُل دخولاً" زیادہ تر باب نصر سے آتا ہے اور اس کے معنی ہیں : ..... میں آنا، ..... کے اندر آنا یا ..... میں داخل ہونا" (لفظ "داخل" جو اس فعل مجرد سے اسم الفاعل ہے۔ اردو میں مستعمل ہے) اور جس (جگہ وغیرہ) میں داخل ہوں وہ مفعول بنفسہ بھی آتا ہے اور "فی" کے صلہ کے ساتھ بھی۔ مثلاً کہیں گے "دخلَ المکانَ و فی المکان (وہ اس جگہ میں داخل ہوا) یہ فعل بعض دوسرے صلات (خصوصاً "بِ" اور "علی") کے ساتھ بعض دیگر معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ استعمال (یعنی "دخل بِ ....." اور "دخل علی .....' والا) قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ ان کا بیان اپنی جگہ ہوگا۔

● اس کے علاوہ یہ فعل باب سمع سے (دخِل یدخَل) اور بصورت مجہول (دُخِلَ) سے بھی "..... کے اندر خرابی واقع ہونا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "دُخِل فی عَقلِه" (اس کے دماغ میں گڑبڑ ہے)۔ تاہم قرآن کریم میں یہ استعمال کہیں نہیں آیا۔

● اس فعل مجرد (دخَل یدخُل) سے افعال کے مختلف صیغے قرآن کریم میں بکثرت (۷۰ سے زائد جگہ) آئے ہیں۔ مجرد کے علاوہ مزید فیہ کے باب افعال سے مختلف صیغے ۱۴ جگہ اور مصادر و مشتقات پانچ جگہ آئے ہیں ان میں سے ایک اسم مشتق کا تعلق باب افتعال سے بھی ہے۔ ان سب پر حسب موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

● زیر مطالعہ لفظ "ادخلوا" اس فعل مجرد سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ ہے "تم داخل ہو جاؤ / داخل ہو / ..... میں آجاؤ / ..... میں جاؤ"۔

۲ : ۳۷ : ۱ (۲) [هٰذِهِ الْقَرْيَةَ] (یہ بستی۔ اس بستی میں) "هٰذه" تو اسم اشارہ قریب للمؤنث ہے (اسمائے اشارہ پر بات البقرہ : ۲ [۲ : ۱ : ۱ (۱)] میں ہوئی تھی۔

"القریۃ" کا مادہ "ق ر ی" اور وزن لام تعریف نکال کر "فَعْلَۃٌ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد "قری ..... یقری قِریً" (باب ضرب سے) آتا ہے اور یہ بطور لازم و متعدی مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) مہمان کو کھانا کھلانا (۲) پانی جمع کرنا۔ مثلاً کہتے ہیں "قَرَی الضیفَ" (اس نے مہمان کو کھانا کھلایا۔ اور "قری الماءَ فی الحوض" (اس نے حوض میں پانی اکٹھا کیا) اور بطور فعل لازم "قری الجرحُ" کے معنی ہیں "زخم پھٹ گیا یا پھوٹ پڑا) فعل مجرد سے بعض دیگر معانی کے علاوہ اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب (اِفعال، افتعال وغیرہ) سے بھی مختلف فعل (عام عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآنِ کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا بلکہ صرف یہی لفظ (قریۃ) اور اس کی جمع مکسر (قُرًی) مفرد مرکب معرفہ نکرہ مختلف شکلوں میں پچاس سے زائد مقامات پر آتے ہیں۔

● "قریۃ" کے معنی ایسی انسانی آبادی کے ہیں جہاں لوگ ساتھ ساتھ ملتے اور اکٹھے مکانات تعمیر کر کے رہتے ہوں۔ اس کا اردو ترجمہ "گاؤں" "شہر یا "بستی" سے کیا جاسکتا ہے۔ یہاں "ھذہ القریۃ" (یہ شہر بستی آبادی) سے مراد کوئی خاص بستی یا شہر ہے (جس کا تعین بنی اسرائیل کی تاریخ سے ہوتا ہے) جیسے "ھذہ الشجرۃ" (یہ خاص درخت) آیا تھا۔

[فَكُلُوا مِنْهَا] "فَ" = پس، تو پھر۔ "کُلُوْا" (تم کھاؤ) پر ابھی اور پر گزشتہ آیات میں [۲:۳۶:۱(۴)] کے بعد مفصل بات ہوئی ہے اور اس کے مادہ (ا ک ل) سے فعل مجرد (اکل یاکل = کھانا) کے باب اور معنی وغیرہ کی وضاحت البقرہ: ۳۵ [۲:۲۵:۱(۴)] میں کی جاچکی ہے۔

اور "مِنھا" = مِنْ" (سے، میں سے) + ھَا (ضمیر مجرور بمعنی "اس" (مؤنث) کا مرکب ہے یعنی "اس (بستی) میں سے"۔

[حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا] یہ تین کلمات ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:۔

① "حَیْثُ" (جہاں سے، جس جگہ سے) کے مادہ معنی اور استعمال کی وضاحت کے لیے دیکھئے البقرہ ۳۵ [۲:۲۵:۱(۶)] میں۔

② "شِئْتُمْ" کا مادہ "ش ی ء" اور وزن اصلی "فَعِلْتُمْ" ہے یہ دراصل "شَیِئْتُمْ" تھا۔ اس میں تبدیلی (تعلیل) کا طریقہ وغیرہ البقرہ: ۳۵ [۲:۲۵:۱(۷)] میں "شِئْتُمَا" کے ضمن میں بیان ہوا تھا اور اس مادہ (ش ی ء) سے فعل مجرد (شاء یشاء = چاہنا، ارادہ کرنا) کے باب معنی اور استعمال وغیرہ کی وضاحت البقرہ: ۲۰ [۲:۱۵:۱(۸)] میں کر دی گئی تھی۔

(۴) "رغـدا" (مزے سے) کے مادہ فعل اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۳۵ [۲: ۲۵: ۱(۸)] میں بات ہوئی تھی۔ اس بحث کی روشنی میں "رغـدا" کا با محاورہ اردو ترجمہ "بافراغت، فراغت سے محظوظ ہو کر، بے تکلف، بے روک ٹوک اور خوب" سے کیا گیا ہے۔

۲ : ۳۷ : ۱ (۳) [وَادْخُلُوا الْبَابَ] "وَ" (اور) اور "اُدْخُلُوا" (تم داخل ہو جاؤ) "اُدْخُلُوا" پر مادہ باب معنی وغیرہ کی بحث ابھی اوپر [۲: ۳۷: ۱ (۱)] میں ہوئی ہے۔

"الْبَابَ" کا مادہ "ب و ب" اور وزن لام تعریف نکال کر "فَعَلٌ" ہے گویا اس کی اصلی شکل "بَوَبٌ" تھی جس میں واو متحرکہ ماقبل مفتوح (بَ) الف میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے اور لفظ "باب" بنتا ہے۔

● اس مادہ (ب و ب) سے فعل مجرد "بابَ یَبُوب (دراصل بَوَب یَبْوُبُ) بَوْبًا" (نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "کسی کا دربان بن جانا" اور جس کا دربان بنے اس سے پہلے لام (لِ) کا صلہ آتا ہے مثلاً کہیں گے: "بابَ لهٗ" (وہ اس کا دربان بن گیا)۔ دربان (گیٹ کیپر یا دروازے کے چوکیدار) کو عربی میں "بَوَّابٌ" یا "حاجِبٌ" کہتے ہیں عربی زبان میں اس مادہ سے فعل مجرد تو صرف اسی باب سے اور اسی معنی کے لیے آتا ہے۔ مزید فیہ کے باب تفعیل اور تفعل سے بھی بعض معنی (باب بندی کرنا، ابواب میں تقسیم ہونا وغیرہ) کے لیے فعل استعمال ہوتے ہیں تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کے فعل کا کوئی صیغہ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ البتہ کلمہ "بابٌ" اور اس کی جمع "ابواب" واحد جمع معرفہ نکرہ مفرد مرکب شکلوں میں ۲۶ جگہ آتے ہیں۔

● لفظ "بابٌ" کے بنیادی معنی "دروازہ یعنی داخل ہونے کا راستہ" ہیں پھر کسی کتاب کے ایک مقررہ حصے کو بھی "باب" کہتے ہیں۔ عربی زبان میں اس لفظ کے کچھ محاوراتی استعمال بھی ہیں جن میں کسی چیز کی نوعیت، قسم، امکان، میدان یا حصے وغیرہ کا مفہوم ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "بابٌ جدید" (نیا امکان)" فی هذا الباب" (اس معاملے میں)، من باب الضرورة "(ضرورت کے تحت) فی بابه" (اپنی نوعیت کے لحاظ سے)

تاہم قرآنِ مجید میں یہ لفظ صرف "دروازہ، پھاٹک، اندر جانے یا باہر آنے کا راستہ" کے بنیادی معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ یا ایک آدھ جگہ استعارہ اور مجاز کے طور پر آیا ہے جیسے "ابواب السماء" (آسمان کے دروازے) یا "جنت اور جہنم کے دروازے" (جن کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)

"وادخلوا الباب" کے اردو ترجمہ میں مفعول (باب) سے پہلے "میں" کا اضافہ کرنا پڑے گا حالانکہ عربی میں "فی الباب" نہیں ہے۔ یہ اس فعل "داخل ہونا" کے اردو استعمال کی بنا پر ہے یعنی ترجمہ ہوگا "تم داخل ہو جاؤ دروازے میں" اور اس سے مراد ہے "دروازے میں سے"۔

[سُجَّدًا] یہ جمع مکسر ہے (جو یہاں منصوب ہے اس کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہوگی) اس کا واحد "ساجِدٌ" ہے جس کا مادہ "س ج د" اور وزن "فاعِلٌ" ہے۔ ساجد کی جمع سالم بھی استعمال ہوتی ہے اور اس کی جمع مکسر "سُجَّدٌ" بروزن "فُعَّلٌ" بھی آتی ہے اور "سُجُوْدٌ" بروزن "فُعُوْلٌ" بھی۔ اور اس کی جمع کی یہ تینوں صورتیں قرآن کریم میں مستعمل ہوتی ہیں۔

اس مادہ (سجد) سے فعل مجرد (سجَد یسجُد = سجدہ کرنا) کے باب معنی اور استعمال پر البقرۃ ۳۴ [۲:۲۵:۱ (۲)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

[وَقُوْلُوْا] "وَ" عاطفہ (بمعنی "اور") ہے اور "قُوْلُوا" کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "اُفْعُلُوا" ہے۔ اس کی اصل صورت "اُقْوُلُوا" تھی جس میں متحرک حرف علت (جو یہاں "وُ" ہے) کی حرکت (ضمہ ـُ) اس کے ماقبل حرف صحیح (جو یہاں "ق" ہے) کو دے کر ابتدائی ہمزۃ الوصل (بوجہ "ق" کے متحرک ہو جانے کے) گرا دیا جاتا ہے یعنی اُقْوُلُوا = اُقُوْلُوا = قُوْلُوا۔

اس مادہ (قول) سے فعل مجرد (قال یقول = کہنا) کے باب معنی اور استعمال کی وضاحت کے لیے دیکھئے البقرۃ: ۸ [۲:۷:۱ (۴)]۔

"قُولوا" اس فعل مجرد سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر مخاطب ہے یعنی "تم کہو، بولو"۔

۲:۲۷:۱ (۴) [حِطَّةٌ] کا مادہ "ح ط ط" اور وزن "فِعْـلَةٌ" ہے اس مضاعف مادہ سے فعل مجرد "حَطَّ یَحُطُّ حَطًّا" (نصر سے) آتا ہے اور اس کے متعدد معنی ہوتے ہیں۔ اور لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) "نیچے اترنا" کہتے ہیں، حَطَّ فلانٌ (وہ نیچے اترا) (۲) "قیمت کا کم ہونا سستا ہونا" کہتے ہیں، حَطَّ السِعْرُ (نرخ کم ہو گیا) (۳) "اتار دینا یا ڈال دینا" کہتے ہیں حَطَّ وِذْرَہ (اس نے اپنا بوجھ اتار دیا۔ (۴) "قیمت کم کرنا" کہتے ہیں حَطَّ السِعْرَ (اس نے نرخ کم کر دیا)۔ اس کا اوپر ۲ سے مقابلہ کیجئے (۵) "پتے جھاڑنا" مثلاً کہیں گے "حَطَّ ورقَ الشجر (اس نے درخت کے پتے اتار دیئے) فعل مجرد کے علاوہ اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب (افعال، افتعال وغیرہ) سے بھی افعال مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ بلکہ اسی مادہ سے لفظ "انحطاط" (جو باب انفعال کا مصدر ہے) اردو میں بمعنی "گراوٹ" استعمال ہوتا ہے۔

تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا. بلکہ اس مادہ سے ماخوذ صرف یہی ایک لفظ (حِطّة) قرآنِ کریم میں آیا ہے اور وہ بھی صرف دو جگہ. یہاں اور الاعراف: ۱۶۰ میں۔

● لفظ "حطة" اپنے وزن کے لحاظ سے اسم الھیئة یا اسم النوع ہے اور یہ مصدر کی وہ صورت ہوتی ہے جس میں کسی کام کے ایک خاص انداز میں کرنے یا ہونے کا مفہوم ہوتا ہے جیسے جلَس جِلسةً "کے معنی ہیں" وہ ایک خاص شکل (ہیئت) میں بیٹھا" اس طرح "حِطّة" میں "ایک خاص انداز یا قسم کی کمی" کا مفہوم ہے۔ اس لیے اس کے معنی" استغفار، طلب مغفرت یا باعث مغفرت اور توبہ" کیے جاتے ہیں یعنی گناہوں میں کمی کی ایک صورت۔ ماہ رمضان کو اسی لیے "حطّة" بھی کہا گیا ہے (کہ وہ گناہوں کا بوجھ اتارتا ہے) اور حدیث شریف میں ہے کہ "من ابتلاء اللہ ببلاء فی جسدہ فھولہ حِطّة" (جسے اللہ تعالیٰ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا کرتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کا بوجھ اتارنے یعنی مغفرت کا باعث ہوتی ہے)

● مندرجہ بالا مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے اردو مترجمین نے" وقولوا حِطّة" کا کئی طرح سے ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً" کہو بخشش مانگتے ہیں/بخش دے" یا" کہو گناہ اتریں" کہو ہمارے گناہ معاف ہوں" "کہتے جاؤ/جانا کہ توبہ ہے توبہ ہے" بعض نے اصل لفظ ہی رہنے دیا ہے یعنی" منہ سے حطة کہتے جانا" یا" حطة کہتے جاؤ" "حطة کہنا وغیرہ سے ترجمہ کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کو دروازے میں سے داخل ہوتے وقت طلب مغفرت کا حکم دیا گیا تھا۔

۲: ۳۷: ۱ (۵) [نَغۡفِرۡ لَكُمۡ] (ہم معاف کردیں گے تم کو)۔

اس میں فعل "نَغۡفِرۡ" کا مادہ "غ ف ر" اور وزن "نَفۡعِلۡ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "غفَر... يَغفِر غُفرانًا و مغفِرةً" زیادہ تر باب ضرب سے آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں"... (کسی چیز) کو ڈھانپ دینا" مثلاً کہتے ہیں "غفر المتاعَ فی الوعاءِ" (اس نے سامان کو برتن (وغیرہ) میں (رکھا) اور ڈھانپ دیا) اور بالوں کی سفیدی کو خضاب سے چھپانا کے لیے بھی کہتے ہیں "غفر الشیبَ بالخضاب" ۔ اسی طرح "منڈی میں مال کی کثرت کا قیمتیں کر دینا" کے لیے بھی یہ فعل استعمال ہوتا ہے۔ تاہم قرآنِ کریم میں یہ فعل مندرجہ بالا میں سے کسی معنی کے لیے نہیں آیا۔ بلکہ ہر جگہ "معاف کر دینا اور بخش دینا" ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اس کے بنیادی معنی (ڈھانپ دینا) ہی کی ایک صورت ہے۔

● یہ فعل (غفر یغفر) بطور متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں (۱) وہ چیز جو معاف کی جائے (گناہ۔ خطا وغیرہ) یہ فعل کے ساتھ براہِ راست (مفعول بنفسہ) بحالت نصب مذکور ہوتی ہے اور (۲) جس (آدمی وغیرہ) کو معافی دی جائے یا جس کا گناہ معاف ہو اس کے ذکر کے ساتھ "لام (لِ) کا صلہ آتا ہے مثلاً کہیں گے" غفرَ اللّٰہُ له ذنبَه" (اللہ نے اس کو اس کا گناہ معاف کر دیا یا بخش دیا) اس فعل کا اصل مفعول بہ (ذنب وغیرہ) اکثر محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ صرف "ذنب" مذکور ہوتا ہے اور بعض دفعہ شخص (جسے معافی ملی) اور "ذنب" دونوں ہی غیر مذکور ہوتے ہیں۔

● قرآن کریم میں اس فعل کے استعمال میں قریباً ۱۵ جگہ تو "شخص" اور "ذنب" (گناہ) دونوں مذکور ہوئے ہیں۔ چالیس سے زائد مقامات پر صرف "شخص" ہی مذکور ہے (ذنب غیر مذکور)۔ چھ جگہ صرف "ذنب (یا ذنوب) کا ذکر آیا ہے۔ (مغفور لہ کے ذکر کے بغیر) اور کم از کم تین جگہ اس فعل کے ساتھ کوئی مفعول مذکور نہیں ہوا۔ قرآنِ کریم میں اس فعل مجرد سے مختلف صیغے ساٹھ کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ اس کے علاوہ باب استفعال کے صیغے ۴۳ جگہ اور مختلف مشتقات (اسماء مصادر) سو کے لگ بھگ جگہوں پر آئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "نَغْفِرْ" اس فعل مجرد سے فعل مضارع مجزوم کا صیغہ جمع متکلم ہے۔ (اس کی جزم کی وجہ آگے "الاعراب" میں بیان ہوگی)۔ اور "لَکُمْ" کا لام الجر وہی صلہ ہے جو فعل "غفر" کے ایک مفعول (جس کو معافی ملے) پر آتا ہے۔ اس طرح "نغفِرْلَکُمْ" کا ترجمہ "ہم بخش دیں گے / معاف کر دیں گے تم کو" ہوگا۔

۲: ۳۷: ۱ (۶) [خَطَايَاكُمْ] (یہ رسم املائی ہے رسمِ عثمانی پر آگے بات ہوگی) اس میں "کُمْ" تو ضمیر مجرور متصل بمعنی "تمہاری، تمہارے" ہے۔ اور "خطایا" کا مادہ "خ ط ء" اور وزن اصلی بعض نحویوں کے نزدیک "فَعَائِلُ" ہے جو اب (تعلیل کے بعد) "فَعَالَی" رہ گیا ہے۔ یہ لفظ "خَطِیئَة" (بروزن فَعِیلَة) کی جمع مکسر ہے جس طرح "مدینة" کی جمع "مدائِنُ" اور "صحیفة" کی جمع "صحائف" (غیر منصرف) آتی ہے۔ نحوی حضرات نے اس جمع کو تعلیل کے پیچیدہ مراحل سے گزارا ہے جسے ہم صرف دلچسپی یا اظہارِ حیرت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل جمع "خطَائِیُ" (مثل خطایِعُ) بروزن "فعایِلُ" تھی۔ جس میں الف ممدودہ کے بعد والی "یاء" کو ہمزہ میں بدلا گیا تو لفظ "خَطَائِیُ" (مثل خطاءِعُ) بروزن "فَعَائِلُ" بن گیا۔ اب ہمزہ مکسورہ کے

بعد والے مضمومہ ہمزہ کو "ی" میں بدلنا پڑا اور لفظ "خطائِیُ"[۱] (مثل خطاعِیُ) بروزن "فعائلُ" بن گیا۔ اب الف ممدودہ (طا والی) کے بعد کسرہ (ـِ) کی بجائے فتحہ (ـَ) لگانا زیادہ موزوں معلوم ہوا تو لفظ "خطائَیُ" (مثل خطاعَیُ) ہوگیا۔ مگر اس میں پھر آخری متحرک "یاء" (یُ) ماقبل کے مفتوح ہونے کے باعث الف میں بدل گئی اور لفظ "خطاءَا" ہوگیا۔ اس میں ہمزہ (ء) دو الف کے درمیان آگیا اس لیے اسے "یاء" (ی) میں بدل دیا گیا اور یوں لفظ "خطایَا" بروزن "فَعَالیٰ" (مقصور) ہوگیا جو بصورت "خطایا" لکھا جاتا ہے (الف مقصور ہی ہے ممدود نہیں)۔ گویا خطائِیُ، خطائِیُ، خطائِیُ، خطاءَیُ، خطاءَیٰ، خطایٰ، خطایا۔ (۲) بعض نحویوں کے نزدیک "خطایا" دراصل "خَطِیَّۃ" (بتشدید الیاء جو "خَطِیْئَۃ" کی ہی ایک صورت ہو سکتی ہے[۲]) کی جمع ہے۔ جیسے "وَصِیَّۃ" کی جمع "وصایا" اور ضَحِیَّۃ (قربانی) کی جمع "ضحایا" اور "مَطِیَّۃ" (سواری) کی جمع "مطایا" آتی ہے۔

● خطیئۃ سے "خطایا" تک پہنچنے کی یہ "داستانِ تعلیلات" اس علمی ہیضہ کا ایک مظہر ہے جس کے نمونے بعض دفعہ نحوی مباحث میں ملتے ہیں۔ اگر سیدھی طرح یہ کہہ دیا جاتا کہ "فلاں" لفظ کی جمع مکسر اہلِ زبان "یوں" بولتے ہیں تو کیا قباحت تھی۔ مگر اہل زبان کے کسی استعمال پر یہ سوال کہ "اس استعمال کی وجہ کیا ہے؟" بعض دفعہ مضحکہ خیز تکلف اور بیہودہ جواب کا باعث بنتا ہے۔ "خطایا" کے تعلیل ارتقا کے پانچ مراحل والی توجیہ کی بجائے دوسرا قول (خطیئۃ۔ خطیّۃ۔ خطایا) نسبتاً زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔

● اس مادہ (خ ط ء) سے فعل مجرد "خَطِئَ یَخْطَأُ خَطَأً وخِطْأً" (سمع سے) کے معنی ہیں: "شدید غلطی کرنا، غلط راستہ اختیار کرنا، دانستہ نافرمانی کرنا" مثلاً کہتے ہیں۔ "خَطِئَ فی دینہ" (اس نے اپنے دین میں دانستہ غلط راستہ اختیار کیا)۔ اور باب فتح سے اس کے فعل (خطَأَ یخطَأُ) کے معنی "ہانڈی کا جوش مار کر جھاگ وغیرہ باہر نکالنا" ہوتے ہیں تاہم یہ معنی قرآنِ کریم میں کہیں استعمال نہیں ہوئے۔

● بابِ سمع والے استعمال (فعل مجرد) میں عمداً اور دانستہ برا کام کرنے کا مفہوم ہوتا ہے (غلطی

---

[۱] مفصل بحث کے لیے دیکھئے البیان (لابن الانباری) ج ۱ ص ۸۴، مشکل اعراب القرآن (للقیسی) ج ۱ ص ۴۸۔۴۹ للقیسی اور البیان (للعکبری) ج ۱ ص ۶۶، نثر المرجان ج ۱ ص ۱۴۹۔

[۲] یعنی ہمزہ کو حرف علت (ی) کی طرح مدغم کردینے سے۔ جیسے "نَبِیْءٌ" سے "نَبِیٌّ" بنتا ہے۔

سے یا نادانستہ برا کام کرنے کے لیے اس مادہ سے باب اِفعال استعمال ہوتا ہے) اور اگرچہ اس فعل مجرد (باب سمع) سے بھی قرآن کریم میں کوئی صیغہ فعل تو استعمال نہیں ہوا۔ تاہم بعض مشتقات اور مصادر میں یہ مفہوم موجود ہے مثلاً اسی فعل سے اسم الفاعل "خاطِئٌ" (اسے جمع سالم) بمعنی مجرم اور گنہ گار استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح اس فعل سے مشتق و ماخوذ کلمات (خاطئون، خاطئین، خاطئۃ، خطیئۃ وغیرہ) جو قرآن کریم میں بیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ ان سب میں اس فعل کے یہ بنیادی معنی جھلکتے نظر آتے ہیں۔ اس مادہ سے مزید فیہ کے صرف باب اِفعال سے دو صیغے قرآن میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان پر مفصل بحث اپنی جگہ آئے گی۔

● جیسا کہ بیان ہوا لفظ "خطایا" کا واحد خطیئۃ ہے۔ جو اس فعل مجرد (باب سمع) سے ایک اسم مشتق (بروزن فعیلۃ) ہے۔ چونکہ اس فعل مجرد میں دانستہ اور عمداً غلط کام کرنے کا مفہوم ہوتا ہے اس لیے "خطیئۃ" کے معنی "قابل مؤاخذہ غلطی یا جرم یا قصور اور گناہ" کے ہیں (دانستہ ہو یا نادانستہ) البتہ کبھی "خطیئۃ" کا مطلب "قابل معذرت غلطی" بھی ہوتا ہے۔ اور معنی کا یہ فرق سیاقِ کلام سے متعین ہو سکتا ہے۔ لفظ "خطیئۃ" (واحد) بصورت مفرد یا مرکب قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے۔ اس کی جمع مؤنث سالم "خطیئات" مرکب اضافی کی شکل میں دو جگہ۔ اور جمع مکسر "خطایا" بھی بصورت مرکب اضافی پانچ جگہ آئی ہے مختلف مترجمین نے "خطایاکم" کا ترجمہ "تمہاری خطائیں، تقصیریں، تمہارے قصور اور تمہارے گناہ" کے ساتھ کیا ہے جن میں مندرجہ بالا دونوں مفہوم جھلکتے نظر آتے ہیں۔

۲:۳۷:۱(۷) [وَسَنَزِيْدُ] میں "وَ" تو عاطفہ بمعنی "اور" ہے۔ اور "سنزید" کا ابتدائی "سَ" (سین مفتوحہ) مضارع میں مستقبل کے معنی پیدا کرنے کے لیے لگایا (جاتا) ہے۔ نحوی اسے "سین التنفیس" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے فعل محدود اور تنگ زمانہ (حال) سے کھلے اور وسیع زمانے (مستقبل) میں داخل ہوتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ "عنقریب، بہت جلد، جلد ہی" سے کیا جاتا ہے۔ فعل مضارع پر "سَوْفَ" بھی اسی مقصد کے لیے داخل کیا جاتا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی اسی طرح کیا جاتا ہے۔ البتہ دونوں کے معنی میں باریک فرق یہ ہے کہ "سَ" والا فعل "سَوْفَ" والے فعل کی نسبت زیادہ قریب مستقبل کا مفہوم رکھتا ہے یعنی یہ نسبتاً "زیادہ جلدی" کے معنی دیتا ہے۔

● "نزید" کا مادہ "ز ی د" اور وزن اصلی "نَفْعِلُ" ہے اس کی اصلی شکل "نَزْيِدُ" بنتی تھی جس میں متحرک حرف علت (جو یہاں "ی" ہے) کی حرکت اس کے ماقبل ساکن حرف صحیح (جو یہاں "ز" ہے) کو دے کر لفظ بصورت "نزید" لکھا اور بولا جاتا ہے یعنی اس لفظ کے نطق میں اہل

زبان کا یہ طریقہ ہے۔

اس مادہ سے فعل مجرد "زاد یزید زیادۃ" (زیادہ ہونا۔ زیادہ کرنا) کے باب معنی اور استعمال پر البقرۃ: ۱۰ [۲:۸:۱(۸)] میں بات ہو چکی ہے۔

● "نزیدُ" اس فعل مجرد سے مضارع کا صیغہ جمع متکلم ہے جس میں ضمیر تعظیم "نحن" اللہ تعالیٰ کے لیے مستتر ہے اور اس (نزید) پر "سَ" لگنے سے زیر مطالعہ لفظ "سَنزید" بنا ہے جس کا ترجمہ بنتا ہے "ہم بہت جلد زیادہ کریں گے یا دیں گے" جسے بعض نے "مزید برآں اور دیں گے" اور "اوپر سے اور دیں گے" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے "زیادہ ثواب دیں گے" کیا ہے اس میں لفظ "ثواب" اصل عبارت پر اضافہ ہے۔ بعض نے صرف فعل حال (دیتے ہیں) سے ترجمہ کیا ہے جو "س" کے لگنے کے بعد درست نہیں ہے۔

۲:۳۷:۱(۸) [اَلْمُحْسِنِیْنَ] کا مادہ "ح س ن" اور وزن لام تعریف کے بغیر "مُفْعِلِیْنَ" ہے۔ جو "مُحْسِنٌ" (بروزن مُفْعِلٌ) کی جمع مذکر سالم ہے (جو یہاں منصوب ہے وجہ نصب آگے الاعراب میں بیان ہو گی) اس مادہ (حسن) سے فعل مجرد "حَسُنَ یحسُن حُسْنًا (باب کرم سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: "خوبصورت ہونا یا بہت اچھا ہونا" اس سے زیادہ مستعمل اسم صفت "حَسَنٌ" ہے جس کی مؤنث "حَسَنَۃ" ہے اور مذکر مؤنث دونوں کی جمع "حِسَانٌ" ہوتی ہے۔ اور صرف مؤنث کی جمع سالم "حَسَنات" بھی عام استعمال ہوتی ہے مگر معنی کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ (یعنی بمعنی خوبیاں نیکیاں)۔ اس مادہ سے بعض دوسرے اسم صفت اور ان کی دوسرے طریقے پر جمع بھی آتی ہے مگر ہم نے صرف ان الفاظ کا ذکر کیا ہے جو قرآن کریم میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اس فعل مجرد (حسُن یحسُن) سے فعل ماضی کے صرف دو صیغے "حَسُنَ" اور "حَسُنَتْ" قرآن کریم میں آتے ہیں۔

زیر مطالعہ کلمہ "مُحْسِنِین" اس مادہ سے باب افعال کے اسم الفاعل "مُحْسِنٌ" کی جمع سالم (منصوب) ہے۔ اس باب (افعال) سے فعل "اَحْسَنَ یُحْسِنُ اِحْسَانًا" کے بنیادی معنی ہیں۔ "فعلِ حسن" یعنی "بہت اچھا کام کرنا" پھر اس کے بھی دو مفہوم ہیں (۱) "اِتقان" یعنی کسی کام کو بہترین اور عمدہ طریقے سے کرنا (کاریگری دکھانا) ان معنوں کے لحاظ سے اس فعل کا مفعول (جس کام کو عمدہ طریقے سے کیا جائے) بنفسہ (منصوب) آتا ہے جیسے "اَحْسَنَ صُوَرَکُمْ" (التغابن: ۳) میں ہے یعنی "اس نے تمہاری صورتیں بہت عمدہ طریقے سے بنائیں"۔ (۲) "اِنعام" یعنی کسی پر

انعام کرنا، اس کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنا"۔ اس معنی کے لیے عموماً اس فعل کے مفعول سے پہلے "اِلیٰ" یا "بِ" کا صلہ آتا ہے جیسے "احسنَ اللّٰہُ اِلَیکَ (القصص: ۷۷) اور "قد احسنَ بِیْ (یوسف: ۱۰۰) میں آیا ہے۔ جب یہ فعل بغیر صلہ کے یا ذکر مفعول کے بغیر آئے تو سیاقِ عبارت معنی متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ قرآن کریم میں باب افعال کے اس فعل سے مختلف صیغے قریباً بیس جگہ آئے ہیں۔ ان میں سے صرف دو جگہ مفعول "صلہ" کے ساتھ مذکور ہوا ہے ایک جگہ "الی" اور دوسری جگہ "بِ" کے ساتھ۔ چار جگہ بغیر صلہ مفعول کے ذکر کے ساتھ آیا ہے اور مفعول کے ذکر کے بغیر (صرف فعل) گیارہ جگہ آیا ہے۔ تین جگہ صیغۂ فعل "تمیز" کے ساتھ آیا ہے۔ فعل مجرد و مزید فیہ کے مذکورہ بالا استعمال کے علاوہ قرآنِ کریم میں اس مادہ سے مختلف مصادر، اسماء صفت اور دیگر اسمائے مشتقہ مشتقہ ۱۶۹ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ تین جگہ صیغۂ فعل "تمیز" کے ساتھ آیا ہے۔ فعل مجرد و مزید فیہ کے مذکورہ بالا استعمال کے علاوہ قرآنِ کریم میں اس مادہ سے مختلف مصادر، اسماء صفت اور دیگر اسمائے مشتقہ ۱۶۹ جگہ وارد ہوئے ہیں (حُسْن، حسَن، الحسنیٰ، احسان، حسنۃ، محسنات وغیرہ)

زیرِ مطالعہ لفظ "محسنین" کے مذکورہ بالا دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں یعنی
(۱) عبادات اور معاملات میں حسنِ کارکردگی والے اور (۲) دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے۔ جسے مختلف مترجمین نے "نیکی کرنے والوں، دل سے نیک کام کرنے والوں، نیک بندوں کو، نیکوکاروں کو" سے ترجمہ کیا ہے۔ بعض حضرات نے اِتقان والے معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے "المحسنین" کا ترجمہ "جو ہمارا حکم اچھی طرح بجا لائیں گے" ان کو" مفہوم کے لحاظ سے درست سہی مگر یہ ترجمہ اصل عبارت سے خاصہ ہٹ کر ہے: "اسم الفاعل" کا ترجمہ فعلیہ جملے کی صورت میں کیا گیا ہے۔ اور اس پر "ہمارا حکم" کا اضافہ بھی ہے جو اصل عبارت میں نہیں ہے۔

۲ : ۳۷ : ۱ (۹) [فَبَدَّلَ] ابتدائی فاء (فَ) تو عاطفہ بمعنی "پس / پھر اس کے بعد" ہے۔ اور "بَدَّلَ" کا مادہ "ب د ل" اور وزن "فَعَّلَ" ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "بدَل.... یبدُل بَدْلاً (نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: "....کو بدل دینا، بدل ڈالنا، یا بدل لینا" یہ فعل متعدی بنفسہ استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "بَدَلَ الشیءَ" (اس نے چیز کو بدل ڈالا) اور کسی چیز کے عوض یا بدلے میں لینا مراد ہو تو اس چیز پر "مِن" یا "بِ" کا صلہ لگتا ہے۔ کہیں گے: "بدَل منہ وبہٖ" (اس کے عوض لے لیا)، باب سمع سے "بدِل یَبدَل بَدَلاً" کے معنی "جوڑوں یا گردن میں درد ہونا" بھی ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے کسی باب اور کسی معنی کے لیے فعل کا کوئی صیغہ کہیں

استعمال نہیں ہوا۔

● زیر مطالعہ لفظ "بدّل" اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اور باب تفعیل سے فعل "بدَّل یُبدِّل تبدیلاً" ہمیشہ متعدی اور مفعول بنفسہ کے ساتھ آتا ہے اور اسی کے دو معنی ہیں (۱)۔۔۔ کی شکل بدل دینا، تبدیل کر ڈالنا" (خیال رہے "بدّل" اور "تبدیل" عربی مصادر ہیں مگر یہ اردو میں اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ مستعمل ہیں) مثلاً کہیں گے: "بَدَّلَ الشَّيْءَ شَيْئاً آخَرَ" (اس نے چیز کو بدل کر ایک دوسری ہی چیز بنا ڈالا)۔ (۲) "۔۔۔ کے بدلے / کی بجائے دوسری چیز لے لینا، تبدیل کر لینا" مثلاً کہتے ہیں: "بَدَّلَ الشَّيْءَ مَكَانَ الشَّيْءِ" (اس نے چیز (۲) کی جگہ چیز (۱) لے لی۔

● اس استعمال کے لیے زیادہ تر دونوں بدلی جانے والی چیزوں کا ذکر مفعول اول اور مفعول ثانی کے طور پر ہوتا ہے یعنی دونوں مفعول بنفسہ (بغیر صلہ کے) آتے ہیں جیسے "بدّلناھم جُلُوداً" ہم نے ان کو کھالیں تبدیل کر کے دیں" (النساء: ۱۵۵) اور "بدّلوا نعمةَ اللّٰهِ كُفْراً" انہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری میں بدل لیا" (ابراہیم: ۲۸)۔ اور کبھی جس کے بدلے کوئی چیز لی یا دی جائے اس سے پہلے لفظ "مکانَ" بطور ظرف مضاف آتا ہے۔ یا اس سے پہلے باء (ب) کا صلہ لگتا ہے مثلاً "بدّلنا آیۃ مکانَ آیۃٍ" ہم نے آیت کی جگہ آیت بدل دی (النحل: ۱۰۱) یا "بدّلناھم بجنّتیھم جنّتین" ہم نے ان کو بدل کر دے دیئے ان کے دو باغوں کی بجائے دو باغ (سبأ: ۱۶) ——— اور جب اس "بِ" کے بغیر مفعول ثانی بھی منصوب ہو کر آتے (جیسے اوپر دو مثالیں النساء: ۱۵۵ یا ابراہیم: ۲۸ والی آئی ہیں)۔ اور اکثر آیا ہے۔ تو اسے منصوب بنزع الخافض بھی کہہ سکتے ہیں (یعنی جہاں کوئی فعل صلہ کے ساتھ اور صلہ کے بغیر ایک ہی معنی دے تو بغیر صلہ والے استعمال میں مفعول کی نصب کو ہی نصب بنزع الخافض کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے "حرف الجر۔ خافض۔ کو نکال دینے کی بنا پر نصب دینا")۔ اور اس فعل (بدل یبدل) میں اکثر مفعول ثانی ("کی بجائے / کی جگہ" والی چیز) کا ذکر محذوف بھی ہوتا ہے۔

● قرآن کریم میں اس فعل (بدّل یبدّل) کے مختلف صیغے ۲۳ جگہ آئے ہیں۔ ان میں سے صرف آٹھ جگہ دونوں مفعول (صلہ کے ساتھ یا صلہ کے بغیر) مذکور ہوتے ہیں باقی مقامات پر صرف ایک ہی مفعول مذکور ہوا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں فعل "بدّل" کا دوسرا (بِ والا) مفعول محذوف (غیر مذکور) ہے اس پر مزید بات "الاعراب" میں ہوگی۔

اس باب (تفعیل) کے علاوہ اس مادہ (ب د ل) سے قرآن کریم میں مزید فیہ کے ابواب اِفعال، تفعل اور استفعال سے بھی فعل کے مختلف صیغے ۹ جگہ آئے ہیں۔ اور مختلف مصادر اور اسمائے مشتقہ ۱۲ جگہ آئے ہیں۔ ان پر حسبِ موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

[الَّذِينَ ظَلَمُوا] یہ "الذین" (ان لوگوں نے جنہوں نے) "ظلموا" (انہوں نے ظلم کیا، گناہ کیا) ہے۔ الذین (اور دیگر اسمائے موصولہ) پر الفاتحہ: ۷ [۱:۶:۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ اور "ظلموا" (جس کا مادہ "ظ ل م" اور "فَعَلُوْا" ہے) کے باب اور معنی وغیرہ کے لیے دیکھئے البقرۃ: یعنی [۲:۱۳:۱(۱۰)] ۔ اس فعل کا استعمال ابھی اوپر البقرہ: ۵۷ میں بھی گزرا ہے۔

اردو کے مترجمین نے اردو محاورے کا لحاظ کرتے ہوئے "الذین ظلموا" کا فعل کے صیغے کے ساتھ ترجمہ (جنہوں نے ظلم کیا) کرنے کی بجائے اس (صلہ موصول عبارت) کا ترجمہ "اسم صفت کی طرح کیا ہے یعنی" ظالموں نے، بے انصافوں نے، شریر لوگوں نے، زیادتی کرنے والوں نے" کی صورت میں جو بلحاظ مفہوم درست ہے گو لفظ سے ہٹ کر ہے۔ اگرچہ بعض نے اسم موصول کے ساتھ بھی ترجمہ کیا ہے یعنی "تو جو ظالم تھے/شریر تھے:" کی صورت میں۔

[قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي] یہ تین لفظ ہیں "قولاً"، "غیر" اور "الذی"۔ ان میں سے "قَوْلًا" (بات، کلمہ، لفظ) کا مادہ "ق و ل" اور وزن "فَعْلًا" ہے یہ فعل "قال یقول" کا مصدر ہے (لفظ "قول" بمعنی بات اردو میں مستعمل ہے) اس مادہ سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ کی وضاحت البقـــرہ: ۸ [۲:۷:۱(۴)] میں ہو چکی ہے۔ "غَيْرَ" (دوسرا، کے سوا، کے خلاف) اور "الذی" (وہ جو کہ) ۔ اس طرح "غیرَ الذی ... " کا مطلب ہے "اس کی بجائے جو کہ"۔ "غَيْرَ" کے استعمال اور معنی (بلکہ اس سے فعل وغیرہ) پر مفصل بات الفاتحہ: ۷ [۱:۶:۱(۴)] میں اور "الذی" پر [۱:۶:۱(۱)] میں گزر چکی ہے۔

اس حصۂ عبارت (قولاً غیر الذی ...) پر مزید بات "الاعراب" میں ہوگی۔

[قِيلَ لَهُمْ] "قِيلَ" جس کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "فُعِلَ" ہے کے مادہ فعل کے باب معنی اور اس میں ہونے والی تعلیل وغیرہ پر البقرہ: ۱۱ [۲:۹:۱(۲)] میں بات ہو چکی ہے۔ بلکہ وہیں "لَهُمْ" پر بھی بات ہوئی تھی (وہاں بھی عبارت "قِيلَ لهم" تھی) یہاں "قِيلَ لَهُمْ" کا ترجمہ کہا گیا ان سے" ہے جس کا ترجمہ قول بمعنی "بات" کی تانیث کی مناسبت سے "فرمائی گئی، کہہ دی گئی تھی، بتائی گئی تھی" سے کیا گیا ہے۔ بعض نے "حکم دیا تھا" ترجمہ کیا ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کے قول کی

بات ہو رہی ہے۔ تاہم یہ ترجمہ اصل عبارت سے بہت ہٹ کر ہے۔

[فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا] یہ نامکمل جملہ پانچ کلمات کا مرکب ہے " فَ " (عاطفہ بمعنی پس، اس لیے، پھر) ہے۔

"اَنْزَلْنَا" کا مادہ "ن ز ل" اور وزن "اَفْعَلْنَا" ہے جو اس مادہ سے باب افعال کا صیغہ ماضی (جمع متکلم) ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد اور خود اس فعل (انزل یُنزِلُ) کے معنی وغیرہ کے لیے البقرہ: ۴ [۲:۳:۱(۲)] دیکھئے "اَنْزَلْنَا" کا ترجمہ "ہم نے اتارا۔ نازل کیا / کی" ہوگا۔

"علی الذین" جو "علی" حرف الجر بمعنی "پر، کے اوپر" اور "الذین" (وہ لوگ جو کہ) کا مرکب ہے پس "علی الذین" کا ترجمہ "ان پر جو کہ۔ ان پر جنہوں نے کہ ۔ ۔ ۔ " ہے

"ظلموا" جس کا مادہ "ظ ل م" اور وزن "فَعَلُوْا" ہے۔ اس سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ البقرہ: ۱۷ [۲:۱۳:۱(۱۰)] میں بیان ہوئے تھے۔ اور ابھی اسی آیت میں اوپر "الذین ظلموا" کی ترکیب گزری ہے یہاں بھی مثل سابق اس کا ترجمہ "جن لوگوں نے ظلم کیا" کی بجائے شریروں، زیادتی کرنے والوں" وغیرہ کی صورت میں یعنی فعل کی بجائے اسم صفت کے ساتھ کیا گیا ہے جسے مفہوم اور محاورہ کی بناء پر ہی درست قرار دیا جا سکتا ہے اگرچہ اصل عبارت سے ہٹ کر ہے

۲:۳۷:۱(۱۰) [رِجْزًا] کا مادہ "ر ج ز" اور وزن "فِعْلًا" ہے (یہ لفظ یہاں منصوب ہے) اس مادہ سے فعل مجرد " رجز یرجز رَجْزًا " (نصر سے) سے آتا ہے اور اس کے ایک معنی "رَجز پڑھنا" ہیں جو نظم اور شعر کی ایک خاص قسم ہوتی ہے۔ اور " رجِز یرجَز رَجَزًا" (سمع سے) کے معنی "اونٹ کی ٹانگوں کا (بوجہ بیماری) لرزنا اور کانپنا" ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں تو اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب (تفعیل، مفاعلہ، افتعال وغیرہ) سے بھی مختلف معانی کے لیے فعل استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کوئی فعل کسی باب سے اور کسی معنی کے لیے کہیں استعمال نہیں ہوا۔

● بلکہ قرآن کریم میں اس مادہ سے صرف یہی لفظ "رِجْز" بصورت مفرد مرکب معرفہ نکرہ ۹ جگہ آیا ہے اور ایک جگہ "رُجز" (بضم الراء) آیا ہے۔ اور یہ لفظ (رِجز) اس مادہ سے ماخوذ ایک اسم جامد ہے اور اس کے معنی "گناہ، عذاب، گندگی، غیر اللہ کی عبادت، شرک اور شیطانی وسوسہ" ہیں بعض صرف "گناہ" کے لیے "رِجز" (بکسر الراء) استعمال کرتے ہیں اور باقی معانی (عذاب وغیرہ) کے لیے "رِجز" (بکسر الراء) اور "رُجز (بضم الراء) دونوں طرح استعمال کرتے ہیں۔

زیرِ مطالعہ عبارت میں اس کا موزوں ترجمہ "عذاب" "بلاء" یا "آفت" سے کیا جاسکتا ہے۔

[مِنَ السَّمَاءِ] جو "مِنْ" (حرف الجر بمعنی سے کی طرف سے) اور "السماء" (آسمان) کا مرکب ہے یعنی "آسمان سے"۔ "مِنْ" کے معنی اور استعمالات البقرہ: ۳ [۲:۲:۱(۵)] میں اور "السماء" کے مادہ، وزن اور اس سے فعل وغیرہ کی بحث البقرہ: ۱۹ [۲:۱۴:۱(۳)] میں گزر چکی ہے۔

[بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ] "بِمَا" با (ب السببیہ بمعنی "بوجہ" .... کی وجہ سے) اس سبب سے کہ) اور "مَا" (جو کہ) کا مرکب ہے یعنی "بسبب اس کے جو کہ..." "ب" کے معانی و استعمال پر بحث استعاذہ کے علاوہ البقرہ: ۴۵ [۲:۳۰:۱(۱)] میں اور "مَا" کے معانی پر البقرہ: ۳ [۲:۲:۱(۵)] کے علاوہ البقرہ: ۲۶ [۲:۱۹:۱(۲)] میں بات ہوئی تھی۔ "کانوا" (بمعنی "وہ تھے") کے مادہ، وزن، اس سے فعل اور خود اس صیغہ (کانوا) کی تعلیل وغیرہ پر البقرہ: ۱۰ [۲:۸:۱(۱۰)] میں نیز البقرہ: ۲۸ [۲:۲۱:۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔

"یَفْسُقُونَ" کا مادہ "ف س ق" اور وزن "یَفْعُلُونَ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد (فسق یفسق (نصر) = (نافرمانی کرنا) پر اس سے پہلے البقرہ: ۲۶ [۲:۱۹:۱(۱۱)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

اس حصہ عبارت (بماکانوا یفسقون) کے مجموعی ترجمہ پر بحث "الاعراب" میں مزید بات ہوگی۔

(جاری ہے)

بقیہ: نشری تقریر

تصور Tax کا نہیں ہوگا بلکہ عین عبادت کا ہوگا!---بشرطیکہ حکومت واقعی اسلامی ہو اور مسلمان مجموعی اعتبار سے حکومت اور اس کے کارکنوں کی دیانت و امانت پر اعتماد کر سکیں!----اور یہ ظاہر ہے کہ معمولی شرط نہیں! خدا کرے کہ ہم جلد از جلد اس شرط کو پورا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین O